دیہاتی عورتوں کا نوحہ

زاری یادہا

مولانا سید وجیہ الحسن صاحب پاروی، سابق ایڈیٹر ''الواعظ'' لکھنؤ و ''صحافت'' بنارس

مظلومیت کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق خالی نہیں۔ ہر دور میں کچھ ملوکیت پرست اور استبداد پسند افراد ایسے پیدا ہوئے تھے جنہوں نے ارض خدا کو کمزوروں کے خون سے لالہ زار بنایا۔ صدہا مرتبہ ذرات زمین چنگاری بن کے ہوا میں اڑے اور انہوں نے ہزاروں خاندانوں کو صفحۂ ہستی پر جلا کر کے خاکستر بنادیا۔ انسان نما حیوانیت نے کسی وقت بھی اپنے ناخنوں کو بیکار نہیں رہنے دیا۔ مگر ان تمام حوادث کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو ایسا کوئی بھی نہیں ملتا جو واقعہ کربلا کی نوعیت میں برابر کا حصہ دار قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تمام انقلابات وحوادث کے نقوش عامۃ الناس کے قلوب پر اتنے گہرے نہیں بیٹھے کہ کسی وقت ان کی یادوں سے محو نہ ہو اور یہ ہوتا بھی تو کیوں کر؟ ہر واقعہ اپنے ساتھ کچھ ایسے پہلو لئے ہوئے ہوتا رہا کہ اس کی وہ خالص حیثیت باقی نہیں رہ سکی جو عامۂ مخلوقات کی سچی اور صحیح خدمت پر محمول کی جاسکے۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو وہ مصائب اور مظالم کے اعتبار سے ہلکا رہا اسی طرح کے اسباب پیش آئے جس سے ایسے تمام واقعات کو بس اتنی زندگی نصیب ہوئی کہ قلم ان کو لکھ دے اور کاغذ یا اس کے بجائے کوئی اور چیز انہیں قبول کر کے حفاظت کرتی رہے۔ ایسے لاتعداد واقعات ہیں جواب صرف مورخین و محققین کے رواق چشم میں پناہ گزیں ہیں اور بس، لیکن واقعہ کربلا اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کے تمام واقعات سے جداگانہ تھا۔ مصیبتوں کی ہر قسم وہاں جمع ہوگئی تھی، اخلاقیات اور معاشرت کے تمام مظاہرے وہاں ہوئے اور موجودہ ڈپلومیسی اور سیاسیات حاضرہ کے نقشے وہاں دکھائے گئے، صحیح اور حقیقی سیاست کے آثار اس جگہ نظر آئے، مظالم کی جتنی ممکن اور منتہائی نوعیتیں ہوسکتی ہیں وہ سب ایک دوپہر میں عمل کر کے دکھادی گئیں غرض ہر اعتبار سے اتنا مکمل کہ سننے کے بعد ہر انسان جذبہ خلوص وہمدردی سے اس کو اپنے دل پر نقش کر لینا ضروری تصور کرے، ہر دل ودماغ میں حسینؑ اور ان کے اعزاء وانصارؓ کی محبت اور طرف مقابل سے نفرت پیدا ہوجائے مگر ہاں شرط یہی ہے کہ دل دل ہو، پتھر نہ ہو یا بنایا نہ گیا ہو۔ سنگدل انسان دنیا میں ہوتے ہیں۔ آخر وہ لوگ بھی تو تھے جنہوں نے کربلا میں حسینؑ پر مظالم اور اپنے انسانیت سوز افعال کا بے خوف وخطر مظاہرہ کیا۔

حسینؑ سے محبت اور کوفہ والوں سے نفرت کرنے میں پڑھے لکھے اور جاہل کی کوئی تفریق نہیں، بغیر کسی امتیاز کے ہر شخص اس سے متاثر ہوتا ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ وہ واقعہ شہادت حسینی کی فلسفیانہ موشگافیاں کرے اور پوری چھان بین کرے۔ اور اسے پوری تحقیق اس واقعہ کی ہولے تب حسینؑ سے محبت اور یزید سے نفرت کرے بلکہ دونوں کی تصویریں سامنے آئیں اور معاً یزید کے لئے نفرت وحقارت کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے برخلاف امام حسینؑ اور ان کے اعوان وانصارؓ سے محبت۔

یہ بات کچھ واقعہ کربلا ہی کو حاصل ہے کہ اس کی یادگار قائم کرنے میں دنیا کی ہر قوم حصہ لیتی ہے بعض مقامات پر تو اس طرح عزاداری کی جاتی ہے کہ ہم جو امام حسینؑ کے دل وجان سے فدائی ہیں اس طرح نہیں کرتے اور نہ کر سکتے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے مغربی حصوں میں سے کوئی جگہ ایسی ہے جہاں شب عاشور عورتیں اپنے سر کے بالوں سے جھاڑو دیتی ہوئی

کربلا جاتی ہیں اور جہاں امام حسینؑ کو جوان کے دس دن سے مہمان تھے وہ رخصت کرتی ہیں۔ اسی طرح کے حالات بکثرت ملیں گے جو یہ بتائیں گے کہ امام حسینؑ سے دنیا کو کیسی محبت ہے۔ مجھے ان تمام واقعات کا لکھنا اس وقت مقصود نہیں ہے بلکہ صرف ایک واقعہ۔

ہمارے وطن میں سادات کی آبادی ہے جو بحمدہ اب تک برسر اقتدار ہیں نہ اپنے ظالمانہ طرزعمل سے بلکہ ہر قوم کے ساتھ ہم لوگوں کا برتاؤ روادارانہ، اور مصالحانہ ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ ہر قوم کے افراد ہمارے ساتھ بھی خلوص و ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ جب سے اس بستی میں سادات کی آبادی ہے عزاداری بھی اسی زمانہ سے ہوتی ہے۔

کچھ ہماری رواداری کے سبب اور بہت کچھ امام حسینؑ کے روحانی اثرات کی وجہ سے جن کا مشاہدہ ان لوگوں نے مختلف صورتوں میں کیا ہے وہ سب ہماری عزاداری میں حصہ لیتے ہیں۔ شب عاشور ہمارے یہاں کے تعزیہ خانے کھلے ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ہر قوم وملت کے افراد زیارت کے لئے آتے ہیں اور اپنا ہدیہ عقیدت پیش کرکے چلے جاتے ہیں۔

اسی شب میں جلوس ذوالجناح کا گشت ہوتا ہے۔ میں نے اس جلوس میں دیگر اقوام کی طرف سے جہاں اور خلوص کے مظاہرات دیکھے ہیں وہاں ایک خاص چیز قابل ذکر مجھے یہ نظر آئی کہ دُلدُل کے پیچھے عامۃ الناس کی کچھ عورتیں ساتھ ہوتی ہیں اور وہ کچھ اپنی دیہاتی زبان میں ''بین'' کے طور پر پڑھتی جاتی ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کو ''زاری'' کہا جاتا ہے۔ زاری جسے بعض اطراف میں دہا بھی کہتے ہیں ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس میں واقعات کربلا سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں بیشتر موزونیت بھی نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے مصرعے اسی لئے غیر موزوں ہوتے ہیں اور ان میں قافیہ کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا کہ وہ تمام تر جذبات دل ہیں۔ حکایت قلبی ہے جس کو پرخلوص دیہاتیوں نے جس طرح چاہا کہہ ڈالا سچ ہے۔

نالہ پابند نے نہیں ہے فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

زاری کے بندوں میں ان کے دیہاتی تمدن اور معاشرت کا اچھا خاصا اثر موجود ہے ایک بند اس کا یہ ہے

کھرکی نیان دادی نکلیں ایسی جلتی دھوپ میں
روئے روئے کافر سے پوچھیں ہائے رے پوتے کیا ہوئے

''دادی''۔ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کربلا کی تیز دھوپ میں نکل کر کافروں سے رورو کے پوچھتی تھیں کہ میرے پوتے سب کیا ہوئے۔ اب زاری کرنے والی خود ہی جواب دیتی ہے کہ:۔

تم توہو سید کی دادی تم سے بہانا کیا کروں
تمرے سید کٹ گئے کربل کے بن میں چھپے ہیں

کہتی ہے کہ آپ چونکہ سید یعنی امام حسینؑ کی ماں سادات کی دادی اور خود سیدہ و معصومہ ہیں لہذا آپ کو سب کچھ معلوم ہی ہوجائے گا میں آپ سے کیا بہانہ کروں۔ آپ کے بچے سب کربلا کے جنگل میں چھپے ہیں وہ سب مارے گئے۔

جادیکھو روضہ کے بھیتر خون کی ندیا بہ گئی
ہائے رے جیا کیسے بودھن بنگلہ سونا ہوا

''زاری کرنے والی کہتی ہے کہ روضہ کے اندر یعنی مقتل میں جاکے دیکھئے خون کا دریا بہ گیا۔ ہائے ان شہزادوں کے رہنے کا مکان سونا ہوگیا اب اس میں جی کیوں کر لگے گا۔''

بشیر ابن حذلم کا وہ مرثیہ جو اہل حرم کی واپسی مدینہ پر پڑھا گیا تھا اس کے اشعار کا بھی مفہوم تقریباً یہی ہے۔

شہادت جناب عباسؑ کے بعد جناب سکینہؑ کی جو حالت ہوئی ہے اس کا نقشہ ہندوستان کی دیہاتی عورت اپنی زبان میں یوں کھینچتی ہے۔

سکینہؑ چچا چچا پکاریں سرگرا ڈیوڑھی بھیتر
کیا غضب ڈالیو خدا جو میرے بابا کو مارے اس کو مارے گا خدا

اس وقت جناب عباسؑ جنگ کررہے تھے اور وقت شہادت قریب آیا تو جناب سکینہؑ نے ان کو پکار پکار کر رونا شروع

کیا ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ کسی ظالم نے ان کا سر مبارک تن سے جدا کر کے ڈیوڑھی میں لا کے ڈال دیا۔

سرگرا ڈیوڑھی بھیتر سکینہؑ دادا دادا پکاریں
کیا غضب ڈالیو خدا، جو میرے بابا کو مارے اس کو مارے گا خدا

سر کے گرتے ہی جناب سکینہؑ نے جناب امیر علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارنا شروع کیا۔ پھر آپ نے حالت بیقراری میں فرمایا کہ خدا کیا غضب ہو گیا۔ پھر جناب سکینہؑ ظالموں کے حق میں دعائے بد فرماتے ہوئے کہتی ہیں کہ جو میرے بابا کو مارے گا اس کو خدا مارے گا۔

راہ باٹ میں دادی روئیں رن میں روئیں ہرنیاں
آج سید پر غم پڑا ہے مکہ میں روئے دولہنیاں
راہ باٹ میں اماں روئیں رن میں روئے ہرنیاں
آج سید پر غم پڑا ہے مکہ میں روئے دلہنیاں

زاری کرنے والیوں کے تخیل میں مکہ چونکہ رسول اللہؐ کا اصل وطن ہے اور ان کے خاندان والے سب مکی ہیں۔ اس لئے وہ سب کا گھر وہیں تصور کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ بنی ہاشم کے ازواج وہیں ہیں لہذا وہ کہتی ہیں کہ آج سید پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے اس لئے تمام راستوں میں دادی اور ماں (غالباً جناب سیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ) وہ روتی ہیں اور ان کو دیکھ کے جنگل کے جانور ''ہرن'' وغیرہ رو رہے ہیں اب وہ بین کرنے والی عورتیں وہ واقعات یاد کرتی ہیں جو گھر کی آبادی کی حالت میں روزانہ کھانے پینے کے سلسلہ میں پیش آتے ہیں۔

ہے ہے چارائیلوا کی چولھیا اے اللہ
یہ دادی توری دودھوا اوٹیں اے اللہ

وہ گھر بہت زیادہ آباد سمجھا جاتا ہے جہاں چار ہانڈیوں کا چولھوا بنا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا زیادہ پکتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ گھر بھرا ہوا ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ یا اللہ وہ چار ہانڈیوں والا چولھا کیا ہوا جس پر اے میرے سید تمہاری دادی دودھ ابالا کرتی تھیں۔

ہے ہے پی لو کٹوری بھر دودھوا اے اللہ
لو یہ کٹورا بھر کے دودھ پی جاؤ''
کیوں؟ اس لئے کہ ''سید لڑنے کو جیہو بڑی دور اے اللہ''
یعنی تم بڑی دور لڑنے کو جا رہے ہو۔

آخر میں وہی پہلے دونوں جملوں کو پھر دوہراتی ہیں۔ سب کا محصل یہ ہوا کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد ان واقعات کو یاد کر کے روتی ہیں اور کھانے پینے، رہنے سہنے کے تمام اوقات و واقعات میں وہ مرنے والے کو اپنے خیال میں بلاتی ہیں کہ تم روزانہ ان سب چیزوں کے پابند تھے اور گھر میں اپنے ان ضروریات کے لئے آیا کرتے تھے اب کیوں نہیں آتے؟ لہذا آؤ تا کہ پھر اسی طرح گھر آباد ہو جائے۔''

یہ تمام خیالات ایک پریشان خاطر و مصیبت زدہ کے ہیں جس پر درحقیقت اس واقعۂ شہادت سے ایک دلدوز اثر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کی زبان سے جو الفاظ نکلیں گے ان میں نہ نشست و برخاست ہو گی، نہ بندش کا خیال، نہ خیالات کا تسلسل۔ بے لے بے سر مگر اثر کے لحاظ سے ایسے کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹ جائے۔ میں نے اس زاری کے دستور کو اور مقامات پر بھی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ضلع جونپور، بنارس اور غازیپور، اعظم گڑھ کے دیہاتوں میں بھی عورتیں تعزیوں علموں اور دیگر جلوسوں میں اسی طرح کے بند اور مصرعے پڑھتی ہیں۔ اور بہت سے مقامات پر مذکورہ زاری سے زیادہ پر اثر اور اچھی اچھی ''زاریاں'' کہی گئی ہیں۔ افسوس کہ مجھے اپنے مشاغل زندگی نے اتنا موقع نہیں دیا کہ مختلف مقامات کی ''زاریوں'' کو جمع کر کے ہدیہ ناظرین کرتا۔ بہرحال اس سے اتنا اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ دوسری قومیں بھی ہمارے اس طرز عمل میں کس خلوص سے شرکت کرتی ہیں اور ان کے قلوب پر اس واقعہ کا کیا اثر ہے۔

ہماری داستان غم رلاتی ہے زمانے کو
وہ ہم ہیں جو زبان غیر سے فریاد کرتے ہیں

(ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۵۵ھ)